بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ، نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

’’حافظ ملت کی سیاسی بصیرت‘‘

سیاست کا لغوی معنی انتظام، معاملات کی نگہداشت، تدبیر ملکی، سربراہی، پالیسی، حکمتِ عملی۔

سیاسی: سیاست داں، سیاست میں حصہ لینے والا۔

حافظِ ملت علیہ الرحمہ: اس بزرگ، وجلیل القدر شخصیت کا نام ہے، جن کے بچپن، جوانی، بڑھاپا، طالبِ علمی اور زمانۂ تعلیم وتدریس جس دَور کو بھی دیکھا جائے درخشاں وتابندہ نظر آتا ہے۔

’’حافظِ ملت‘‘ اس دردمندِ قوم کا نام ہے، جس نے اپنی زندگی کی ساری توانائیاں قومِ مسلم کیلئے وقف فرمادیں۔

’’حافظِ ملت‘‘ علم وشعور کے اس عاشق صادق کا نام ہے، جس نے علم وفن کے حصول اور اس کی ترویج واشاعت میں اپنا تن من دھن سب قربان کردیا۔

’’حافظِ ملت‘‘ اس محبِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام ہے، جو اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہر ہر ادا پہ جان قربان کرنے کے لئے ہمیشہ سرگرداں رہے۔ حکمِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آگے ہمیشہ ان کی پیشانی خم رہی۔ طاعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے، بال برابر، تجاوز وانحراف کرتے ہوئے انہیں نہیں دیکھا گیا۔

’’حافظِ ملت‘‘ اس رہنمائے قوم کا نام ہے جس نے ہمیشہ اپنی قوم کو سربلند دیکھنے کے لئے مخلصانہ جدّ وجہد میں عمر عزیز صرف کردی۔

’’حافظِ ملت‘‘ بے شمار خوبیوں کے مالک، بے پناہ صفات کے جامع، بے شمار خصوصیات کے حامل ہیں، ان کی ہر خوبی، ہر صفت، اس لائق ہے کہ اس پر بہت کچھ لکھا جائے۔

’’حافظِ ملت‘‘ کی زندگی کا جو گوشہ، میں زیرِ عنوان لانا چاہتا ہوں وہ حافظ ملت کا سیاسی تدبر ہے۔

’’حافظ ملت‘‘ کو اس صفت کے ساتھ کم لوگ پہچانتے ہیں۔ کچھ لوگ تو سیاست کو مذہب سے جدا تصور کرتے ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اہل مذہب کو، سیاست سے الگ رہنا چاہیئے۔ آج کل کے کچھ سیاسی افراد سیاست میں قدم رکھنے کے بعد مذہب کو دور ہی سلام کرتے ہیں۔ اور مذہب پر ثابت قدمی کو سیاست کا دشمن سمجھتے ہیں۔

ایک اخبار میں اپنے کو سیاست کا ٹھیکیدار سمجھنے والے ایک لیڈر کا بیان جب میری نظر سے گزرا تو میں متحیر رہ گیا۔ وہ لکھتے ہیں ---------- یہ سیاست ہے مذہبی رہنما اور مولویوں کو اس سے کیا کام، انہیں قطعاً سیاسی معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہیے، نہ انہیں اس سلسلے میں کوئی مشورہ دینا چاہیئے۔

اس طرح کا خیال رکھنے والے افراد کو میں باور کرانا چاہتا ہوں کہ قطعاً مذہبِ اسلام سے، سیاست وحکومت جدا نہیں، کسی اور مذہب سے جدا ہو تو ہو۔ اسلام ہرگز اپنے ماننے والوں کو سیاست وحکومت سے الگ نہیں کرتا۔

بے شمار قرآنی آیات، احادیث کریمہ، اقوالِ صحابہ وتابعین، فرمودات سلَف وخلَف، سیاست وحکومت کی جانب رہنمائی کرتے ہیں، اور اپنے متبعین کو اس کے صحیح طریقۂ کار سے روشناس کراتے ہیں۔

خود نبی اکرم تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکومتِ اسلامی کی داغ بیل ڈالی اور سیاست وحکومت کا سچا طریقہ سکھایا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین صحابۂ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے دورِ خلافتِ راشدہ میں اسلامی سیاست وحکومت کو کہاں سے کہاں تک پہونچا دیا۔

امیر المؤمنین، حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صرف مثال میں لے لیجئے۔ ان کی سیاست سے دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں تھرا اٹھیں۔ اسلام کا جھنڈا، عرب کے صحرا سے نکل کر قیصر وکسریٰ کے محلات پر لہرانے لگا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز اموی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، ایک جلیل القدر عالم اور محدث ہونے کے باوجود خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنی بے مثال اصلاحات، دنیا کے سامنے پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ درحقیقت اسلامی سیاست ہی انسان کو اطمینان وسکون دلا سکتی ہے۔

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے خلیفۂ خاص حضرت قطب الدین بختیار کاکی، کی خانقاہ کے ایک تربیت یافتہ سلطان شمس الدین التمش نے سرزمینِ ہند پر سلطانی کر کے، کیا یہ یقین نہیں دلایا؟ کہ کسی خانقاہ کا تربیت یافتہ ادنی غلام بھی، جہاں بانی کے وہ جوہر دکھا سکتا ہے جہاں بڑے بڑے مذہب بیزار لیڈران، پہنچنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔

اسلام اور سیاست، ایک مستقل عنوان ہے، جس پر کوئی قلمکار اپنے قلم کو جنبش دے تو بے شمار مواد، اکٹھا ہو سکتے ہیں۔

میں اس وقت صرف حافظِ ملت کی سیاسی بصیرت پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں اور اس خیالِ خام کی تردید کرتا ہوں جو مذہبی رہنما کو سیاست سے الگ کرنے کا حامی ہے۔

قوم مسلم کو جب بھی جس قسم کی ضرورت پیش آئی، حافظ ملت نے ان کی دستگیری فرمائی، اسی طرح سیاست میں بھی اپنی قوم کو راہ راست پر لگانے سے دلچسپی لی اور مستقل سیاست میں حصہ لیا۔ بلکہ حافظِ ملت نے ہندوستانی سیاست پر ایک مستقل رسالہ ''الارشاد'' کے نام سے تصنیف فرمایا۔

میں اِس وقت آپ کو ہندوستان کی سیاست کے اس موڑ پر لے جانا چاہتا ہوں جو حصولِ آزادی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ۱۹۴۷ء سے قبل ہندوستان نے سیاست کے بڑے بڑے کھیل دیکھے ہیں۔ کہیں تحریکِ خلافت تھی، تو کہیں ترکِ موالات، کبھی کانگریس، تنہا ہندو مسلمان دونوں کی نمائندگی کا دعوٰی کرتی تھی، تو کبھی مسلم لیگ صرف مسلمانوں کی قیادت کا دم بھرتی تھی۔ غرض کہ اس موڑ پر ہر فن کارِ سیاست، مسلمانوں کا ووٹ حاصل کرنے کی فکر میں تھا۔ اس موقع پر حافظِ ملت نے کس طرح قوم کی رہنمائی کی، اس کا ایک عکس آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

حصولِ آزادی کی کوشش اور مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے'' آل انڈیا سنی کانفرنس'' کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس تنظیم نے سیاست اور حصولِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ اس سے متعلق اپنی جدوجہد کے بارے میں حافظِ ملت یوں رقمطراز ہیں:

’’یہ خادم، اپنے عقیدتمندانہ جذبات کے ساتھ، سنی کانفرنس کی خدمت کے لئے تیار ہوا۔ حسب الحکم حضور والا (محدث اعظم حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ) مبارک پور میں ضلع سنی کانفرنس قائم کی۔ اطراف میں اس کی شاخیں پھیلائیں نہایت جد وجہد سے کام ہوا۔ چنانچہ ڈھائی ہزار سنی مسلمان باضابطہ اس کے ممبر بنائے۔ (الارشاد ص ۱۶)

اس وقت ہندوستان میں دو عظیم سیاسی جماعتیں ابھر کر سامنے آئیں ’’انڈین نیشنل کانگریس‘‘ اور ’’مسلم لیگ‘‘ باقی سبھی چھوٹی جماعتیں ان میں سے کسی کے ساتھ ضم ہوگئیں۔

کانگریس کا دعویٰ ہندوستان کو انگریزوں کے چنگل سے چھڑا کر ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، سبھی ہندوستانیوں کی ملی جلی جمہوری حکومت کا قیام تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہندو مسلمان مل کر انگریزوں کو بھگائیں، انھیں ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیں۔ اور ملک کو ان کی غلامی سے نجات دلائیں۔

انگریزوں کو ہٹانا تنہا کانگریس کے بس کی بات نہ تھی، نہ وہ اپنے اندر سکت ہی پا رہے تھے، اس لئے مسلمانوں کا سہارا لیا۔

ادھر مسلم لیڈران نے مسلم لیگ کے نام سے الگ ایک تنظیم بنائی۔ بہت سے مسلمان تو پہلے ہی سے کانگریس کے خلاف تھے، ان کی دورخی پالیسی کا پہلے ہی سے تجربہ حاصل ہو چکا تھا، مگر کوئی سیاسی تنظیم ابھر کر سامنے نہیں آئی تھی، لیگ کی آواز بلند ہوتے ہی مسلمان لیگ میں، فوج در فوج داخل ہونے لگے، لیگ میں مسلمانوں کی شمولیت کا اندازہ ذیل کی تحریر سے لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اُس وقت کی عکاسی اپنے الفاظ میں یوں کرتے ہیں: ’’وہ مسلمان جو کانگریس کے خلاف مصروفِ عمل ہونے کے لئے بے چین تھے، مسلم لیگ کی طرف ٹوٹ پڑے اور انتہائی جوش وخروش کے ساتھ اس کی تائید وتقویت کرنے لگے، تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے طول وعرض میں لیگ پھیل گئی اور اس شان سے پھیلی کہ بہتیری خانقاہوں سے مشائخِ کرام تسبیح ومصلّٰی، پھینک پھانک کر اس کی صف میں آنے لگے۔ بہتیرے مدرسوں سے علماء بغلوں میں قرآن وحدیث دبائے ہوئے دوڑ پڑے۔ (اشک رواں ص ۲۰)

لیگ کی جانب اس دوڑ میں سنی کانگریس کے نمائندے بھی شامل ہوئے۔ انہوں نے اپنی تحریر وتقریر، تدبیر وتجویز جان ومال، ہر طرح سے لیگ کی حمایت کی۔ لیکن بھلا ہو سنی کانفرنس کے ضلعی نمائندے حافظ ملت علیہ الرحمہ کا اُن کی دور بیں نگاہوں نے لیگ کو فوراً بھانپ لیا۔ کہ لیگ، کانگریس سے جدا کوئی نظریہ نہیں رکھتی۔ اسلامی حکومت کا قیام، ان کا مقصد بھی نہیں، جو فرق ہے وہ صرف دکھاوے کا ہے۔

کانگریس اور لیگ میں یکسانیت: کانگریس کا خیال تھا کہ تمام ہندوستانیوں کی ملی جلی ایک جمہوری حکومت کا قیام عمل میں آئے جس میں مذہب، ذات، رنگ ونسل کا کوئی امتیاز نہ ہو۔

لیگ کا خیال تھا کہ ہندوستان سے الگ، بنام پاکستان ایک جمہوری حکومت وجود میں آئے،
جس کی تشریح، مسٹر محمد علی جناح صاحب نے یوں کی۔

’’پاکستان میں حکومت الٰہیہ ہرگز قائم نہیں ہوسکتی، پاکستان ایک جمہوری اسٹیٹ ہوگا۔جس میں غیر مسلموں کا بھی حصہ ہوگا۔ پاکستان میں کٹھ ملاؤں کی حکومت نہیں ہوگی۔

(الارشاد ص ۱۷)

دونوں نظریات پر غور کیا جائے۔ دونوں میں کیا فرق ہے؟ دونوں جمہوری اسٹیٹ، اور لادینی حکومت کے قیام کے خواہاں ہیں، دونوں سیکولرازم کے خواستگار ہیں۔ دونوں میں کوئی بھی اسلامی نظامِ حکومت کا خواہش مند نہیں۔

حافظِ ملت کی دوربیں نگاہیں اسی وقت دیکھ رہی تھیں اور قیام پاکستان کے منصوبے کو بخوبی سمجھ رہی تھیں۔ کہ یہ صرف سیاسی قیادت کی جنگ ہے۔ نہ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہوگی نہ ہندوستان میں۔ کانگریسی کھل کر جمہوریت کا نعرہ بلند کررہے ہیں اور اہل لیگ اسلام کا لیبل چسپاں کرکے جمہوری اسٹیٹ قائم کرنے کی فکر میں ہیں۔

اسلامی نظام اور جمہوری نظام میں کتنا عظیم فرق ہے۔اہل علم پر مخفی نہیں۔

بانیان پاکستان نے بڑے زوروشور سے اسلام اور مسلمان کا نعرہ بلند کیا،جس کے نتیجے میں یقیناً پاکستان بن گیا۔مگر یہ بتایا جائے کہ کیا وہاں اسلامی حکومت قائم ہوگئی؟ کیا وہاں کے مسلمان مطمئن ہوگئے؟ کیا وہاں احکامِ اسلام جاری ہوگئے؟ وہاں نظام مصطفیٰ نافذ ہوگیا؟ کیا وہاں اسلامی احکام برسرعام پامال نہیں ہورہے ہیں؟

اسلام کے نام پر لیگیوں کی حمایت ان کے ہر کردار و عمل کی حمایت تھی۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جان قربان کردی مگر یزید کی حمایت کے لئے تیار نہ ہوسکے تو انہیں کا ایک شیدائی و فرماں بردار عاشق، ملت کا نگہبان کیسے ان کی حمایت کرتا؟

سنی کانفرنس کے نمائندوں نے لیگ کی بھرپور حمایت و تائید کی، اُس دور میں لیگ کے نیتاؤں کو اسلام کا نمائندہ تصور کیا جاتا تھا۔

حافظ ملت بھی سنی کانفرنس کے خصوصی نمائندہ تھے، اگر سنی کانفرنس خود خالص مسلمانوں کا نمائندہ بن کر اسلامی اسٹیٹ کی کوشش کرتی تو حافظِ ملت یقیناً ان کے شانہ بشانہ نظر آتے جیسا کہ ان کی تحریروں سے ظاہر ہے۔لیکن اس وقت لیگ کے ساتھ لوگوں کا اعتقاد راسخ تھا، حافظ ملت کی باتوں پر کیوں کر کوئی کان دھرتا۔

سنی کانفرنس نے بھی لیگ کی پرزور حمایت کی۔لیکن خود لیگ نے اس کو بالکل نظرانداز کردیا۔سنی علماء و مشائخ کو کہیں بھی نمائندگی نہیں دی گئی۔لیگ میں سنیوں کی حیثیت کیا تھی اس کا نقشہ ایک مقام پر حافظ ملت نے یوں کھینچا ہے:

سنیوں کا کام یہ ہے کہ لیگ کے جھنڈے اٹھائیں، لیگی لیڈروں کا شاندار استقبال کریں، مسلم لیگ زندہ باد، قائداعظم زندہ باد کے نعرے لگائیں۔ لیگ کے جلسوں کا پنڈال سجائیں۔ کمربستہ ہوکر جگہ صاف کریں۔ فرش بچھائیں، لیگ کے جلسوں کو خوب کامیاب بنائیں۔ الکشن میں لیگ کا ورک کریں۔ خوب دوڑ دھوپ کریں، بڑی جدوجہد کے ساتھ سنی مسلمانوں سے لیگ کے لئے بڑے بڑے چندے کریں، لیگی نمائندوں کی کامیابی کے لئے گراں قدر رقمیں صرف کریں۔ ہر امکانی کوشش ختم کرکے لیگ کو کامیاب بنائیں۔اور بس۔ (الارشاد ص ۸)

غیر سنیوں کا حال یہ ہے کہ: ’’وہ لیگ میں فرماں روا ہیں۔ حاکم ہیں، مخدوم ہیں، سنی اکثریت کی تمام خدمات انہیں کے اعزاز و اقتدار کی نذر ہیں، وہ مختار ہیں، سیاہ سفید کے مالک ہیں۔ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ (الارشاد ص ۱۴)

جس وقت لیگی لیڈروں کو عام مسلمان مذہبی اور روحانی مسیحا خیال کرتے تھے اور ان سے اسلامی حکومت کی خام توقع وابستہ کئے تھے اس موقع پر حافظ ملت کی سیاسی بصیرت کا ایک ایمان افروز بیان ملاحظہ فرمایئے:

’’جب الکشن کا دور شروع ہوا۔ کارکنان سنی کانفرنس نے لیگ کی حمایت شروع کر دی، منفرداً مجتمعاً ہر طرح لیگ کی تائید کرتے رہے۔ بڑے بڑے عمائد کانفرنس نے، پوری طاقت سے لیگ کا ورک کیا، چنانچہ ان کی محنتوں کا نتیجہ یہ شائع ہوا کہ لیگ کی نوے فیصد کامیابی کا سہرا سنی کانفرنس کے سر ہے۔ کارکنان سنی کانفرنس کی اس لیگ نوازی سے خادم متاثر ضرور تھا، تاہم اس کی تاویل کرتا تھا اور اس کو ان حضرات کی شخصی اور مقامی خصوصیت پر محمول کرتا تھا۔ یہ خیال کرتا تھا کہ سنی کانفرنس بنارس کے اجلاس میں اس کی تلافی ہو جائیگی مگر بنارس کے اجلاس کا دعوت نامہ آیا تو اس میں مقاصد سنی کانفرنس میں پاکستان اور لیگ شامل ہے۔

اگرچہ پاکستان کی تفسیر بایں الفاظ ہے‘‘۔

’’آئین شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر ایک آزاد با اختیار حکومت کا مطالبہ‘‘ لیکن سنی کانفرنس کی طرف سے یہ الفاظ پاکستان کے لئے صرف دعائیہ ہو سکتے ہیں بطور مطالبہ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ پاکستان لیگ کا مطالبہ ہے جو تمام مسلمانوں کی واحد نمائندگی کی مدعی ہے۔ اور سنی کانفرنس نے اپنی تائید سے لیگ کے اس دعوے کو حکومت برطانیہ سے منوا دیا ہے، لہذا اگر سنی کانفرنس کی تائید و حمایت سے بالفرض پاکستان ملا بھی تو لیگ کو ملے گا اور وہ لیگی پاکستان ہوگا۔ جس کی تشریح مسٹر جناح نے بارہا کی ہے پاکستان مین حکومت الٰہیہ ہرگز قائم نہیں ہوسکتی۔۔۔۔۔ پاکستان ایک جمہوری اسٹیٹ ہوگا۔ جس میں غیر مسلموں کا بھی حکومت میں حصہ ہوگا۔

لیگی اخبار تنویر ۱۲/اپریل (۱۹۳۹ء) میں ہے۔ قائد اعظم نے کہا، پاکستان میں کٹھ ملاؤں کی حکومت نہیں ہوگی، لہذا اب پاکستان کی وہ تفسیر جو سنی کانفرنس کر رہی ہے کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر کوئی معنی ہوسکتا ہے تو یہ کہ اس تفسیر سے مسلمان متاثر ہو کر حمایت پاکستان میں زیادہ سے زیادہ قربانیاں پیش کریں۔ اور بس۔ (الارشاد ص ۱۶، ۱۷)

لیگیوں کے ایک پرانے لیڈر راجا محمود آباد نے اپنے بیان میں یوں کہا۔۔۔ ’’افسوس ہے کہ آج چالاکی سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے سوالات اٹھا کر مسلمان میں نا اتفاقی پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اسلام میں کوئی اختلاف نہیں۔ مگر ہاں سیاست میں ہے، آج مذہب کے نام سے لوگوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔۔۔ ہمارے مولوی مولانا کہلانے والے ہم کو ملیا میٹ کر رہے ہیں۔ انہوں نے مذہبی دوکانیں کھول رکھی ہیں۔ ان سے ہم کو بچنا چاہئے۔

(روزنامہ اخبار انصاف بمبئی مورخہ ۱۳/جولائی ۱۹۳۹ء نمبر ۱۱۰ حاشیہ الارشاد ص ۱۷، از علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی)

سنی کانفرنس نے جب پاکستان کے لئے ’’آئینِ شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر ایک آزاد با اختیار حکومت کے مطالبہ‘‘ کا اعلان کیا تو حافظ ملت نے اسی وقت کتنا صاف صاف بیان کر دیا کہ سنی کانفرنس کی طرف سے یہ الفاظ پاکستان کے لئے صرف دعائیہ ہو

سکتے ہیں بطور مطالبہ ہرگز نہیں۔ پھر آنے والے وقت نے یہ ظاہر کر دیا کہ یقیناً پاکستان اسلامی حکومت نہیں بلکہ لیگی حکومت ہے اور ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی حدیثیں اور صحابہ کرام وائمہ مجتہدین کے اقوال پیش کرنے والے شخص کو نااتفاقی پھیلانے والا، اختلاف کرنے والا کہہ کر اس طرح نظر انداز کیا گیا، کہ سنی کانفرنس کے ارکان بھی دنگ رہ گئے۔

لیگ نے مسلمانانِ اہلِ سنت کے عقائد ونظریات پر کس قدر برا، اثر ڈالا اس کا ایک مقام پر حافظ ملت نے یوں ذکر کیا۔

''جس کے زہریلے نتائج مذہب پر، اس قدر اثر انداز ہوئے کہ تصلب فی الدین کا خاتمہ ہوگیا۔ اور اس کی خوش عقیدگی، لیگ سے اس قدر بڑھی کہ خواہ قادیانی ہو یا رافضی، دیوبندی ہو یا خارجی اگر وہ لیگی ہے سنی مسلمان اس کی تعظیم وتوقیر کے لئے تیار ہیں۔

مبارکپور کے سنی اپنی مذہبی خصوصیت میں ممتاز تھے مگر لیگ کی خوش عقیدگی نے ان سے اشرف علی تھانوی کے خلیفہ ظفر احمد تھانوی (دیوبندی) کا استقبال کرایا اس کا لکچر سنوایا۔ اس کے پیچھے نماز پڑھوائی، اس کے پیر کے موزے دھلوائے۔ غرضیکہ بڑی دھوم سے اس کی تعظیم وتکریم کرائی۔۔۔۔ اگر مسلمانان مبارک پور پر لیگ کا بھوت سوار نہ ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ (الارشاد ص ۱۸)

لیگ کے اِن سیکولر اثرات سے متاثر ہونے اور اس کے عواقب وانجام پر غور وفکر کرنے کے بعد آخر کار حافظ ملت نے ۱۳ / جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۶ / اپریل ۱۹۴۶ء کو سنی کانفرس کی لیگ نوازی کی بنیاد پر اس کی نمائندگی سے استعفاء پیش کر دیا۔ تقریراً وتحریراً ہر طرح، ناراضگی اور برأت کا اظہار فرمایا۔

حافظ ملت میں دور اندیشی، معاملہ فہمی، نکتہ سنجی، انجام رسی، قوت فکر، مستقبل پر نظر حد درجہ تھی۔ بعض پیش گوئیوں کو تو آپ اِس اذعان و یقین سے بیان کرتے کہ گویا لوح محفوظ پر دیکھ لیا ہے۔ معاصرین میں سے کسی کی جہاں گہرائی وگیرائی تک سوچ بھی نہیں پہونچ سکتی حافظ ملت کی نظریں وہاں جمی رہتیں۔

آج کل کی سیاست، مذہب بیزاری، دروغ گوئی، کذب بیانی، وعدہ خلافی، مکروفریب، ظلم وستم، جبر واستبداد، ناانصافی، رشوت ستانی، غرضیکہ بیشمار برائیوں کا پیش خیمہ ہے اور سیاست کی خوبیاں ان برائیوں کے ساتھ اس طرح حلول کر گئی ہیں کہ اچھے اور برے سیاسی نیتاؤں کو پہچاننا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن سا ہو گیا ہے۔ جس کو لوگ رہبر سمجھتے ہیں رہزن نکل جاتا ہے۔ لیکن۔ حافظ ملت ان نیتاؤں کی خوبیوں اور خامیوں کے پرکھنے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور دودھ کا دودھ، پانی کا پانی الگ کر دینے پر انھیں بے پناہ قدرت حاصل تھی۔

حافظ ملت کا خیال تھا کہ سنی کانفرنس تمام سنیوں کی حمایت سے خود اپنے طور پر اسلامی حکومت کا مطالبہ کرے۔ لیگ میں ہرگز شامل نہ ہو، نہ اس کی حمایت کرے۔ یہ کوئی مشکل نہ تھا یہ فیصلہ کثرت تعداد کی بنیاد پر مبنی تھا اور سنیوں کی کافی اکثریت موجود تھی، اس وقت سنیوں کی اکثریت کا اندازہ ذیل کے جملوں سے لگایا جاسکتا ہے۔

''مسلمانانِ اہل سنت کی اتنی اکثریت ہے کہ اگر ایک دم سارے سنی مسلمان خلافت کمیٹی (یا مسلم لیگ) سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتادے کہ خلافت کمیٹی (یا لیگ) کسے کہا جائے گا؟ اس کا دفتر کہاں رہے گا؟ اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اٹھائے گا؟ ان حقائق میں کیا اس دعویٰ کی روشنی نہیں کہ خلافت (اور حکومت) صرف سنیوں کو قائم کرنا ہے۔ (الارشاد ص ۷)

غرضیکہ حافظ ملت جہاں دیگر علوم وفنون میں کافی مہارت اور دستگاہ رکھتے تھے، سیاست میں بھی ان کی بصیرت وبصارت ممتاز نظر آتی ہے۔

سیاسی رہنمائی کا ایک اہم واقعہ جو مندرجہ بالا ۱۹۴۷ء سے قبل کے واقعات ہی کا ایک جز ہے ملاحظہ فرمائیں۔

والد گرامی علیہ الرحمہ (جو بڑے متصلب فی الدین اور سیدی اعلی حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمہ کے بڑے شیدائی تھے، اپنی ذاتی ہمت وجرأت کی وجہ سے کبھی کسی باطل سے دبتے نہ تھے) بیان کرتے ہیں:

جب خوب لیگ، کانگریس کی سیاسی جنگ چھڑی ہوئی تھی ہر ایک شخص کسی نہ کسی پارٹی سے جڑا ہوا تھا اور اپنی پارٹی کی حمایت اور مقابل پارٹی کی مخالفت میں جان کی بازی لگانے کے لئے تیار تھا۔

انھوں نے اہل سنت کے بعض مقتدر علماء کرام ۔۔۔۔۔۔۔ سے اس سلسلے میں تبادلۂ خیال کیا۔ انھوں نے لیگ کو ترجیح دی، اور اس کا ساتھ دینے کی ہدایت کی۔

اسی درمیان حافظ ملت علیہ الرحمہ سے ملاقات ہوئی عرض حال کیا، عین موقع پہ حافظ ملت نے رہنمائی کی۔ فرمایا۔ لیگ اور کانگریس یہ کوئی مذہبی لڑائی نہیں۔۔۔۔۔۔۔ (دونوں سیکولر ہیں)۔۔۔۔۔ مخالفت مول لینا بے سود ہے۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ ہی کی یہ دستگیری تھی کہ جو تصلب، مذہب کے بجائے، لادینی سیاست کے لئے استعمال ہو رہا تھا، پھر مذہب کی طرف مڑ گیا۔

یہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی سیاسی ودینی بصیرت کے چند گوشے تھے۔ اسی طرح اگر دیگر مواقع کے گوشے یکجا کئے جائیں، تو نہ معلوم کتنے اہم سیاسی واقعات حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے دامن سے وابستہ ملیں گے۔

احمد القادری مصباحی

بھیرہ، ولید پور، مئو، یوپی، ہند

۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۵ء